Tarjihaat
Volume:IV
Issue: V
مئی ۲۰۲۴
May. 2024
ISSN: 2583-0082
Online Urdu Research Journal
آن لائن اردو ریسرچ جرنل

سلیم ناز

ٹیوشن سینٹر

دو برس پہلے جب میں نے سفینہ کے جھونپڑا نما کمرے میں جھانکا تھا تو ہر چیز سانپ کی طرح بل سے منہ باہر نکالے پھنکارتی زبان پر سوال کا زہر لیے ہوئے نظر آرہی تھی، سردیوں کے گرم بستر جن میں دو رضائیاں، ایک بہت ہی پرانا کمبل جو برسوں سے دھلائی سے محروم تھا اور گرم چادروں سمیت سردیوں کے تمام بستر پورے کمرے میں بکھرے پڑے تھے، ایک کونے میں مکھیوں کا جمگھٹا چند بے دھلے برتنوں کا خرابہ تھا۔ آج وہی سفینہ ایک بنگلہ نما گھر کے ڈرائنگ روم کو آفس بنا کر گھومنے والی کرسی پر پرنسپل بن کر بیٹھی ہوئی ہے اور بارہ چودہ فی میل ٹیچرز اس کی اکیڈمی میں ٹیوشن پڑھا رہی ہیں۔ سفینہ کو اس حالت میں دیکھتے ہی میں حیران ہو گیا کہ یہ تو اتنی پڑھی لکھی بھی نہیں تھی پھر یہ عجوبہ کیسے ہوا!!

مخبر بولا "جانی اسی لیے تو تمھیں یہاں لایا ہوں کہ تم اس معجزے کے پس پردہ راست اور معکوس تعلق کو سمجھ سکو، دیکھو تم دو سال میں ایک ڈگری مکمل نہیں کر سکے اور اس نے اتنا بڑا کارنامہ کر دکھایا"۔ یار ٹیچرز اس کے کم پڑھے لکھے ہونے پر سوال نہیں کرتیں اور اس کے ماتحت ملازمت کرنے پر عار محسوس نہیں کرتیں؟ سفینہ کو اس حالت میں دیکھ کر میں اس دوپہر میں جانکلا جب سفینہ اٹھ کر بچے کو پیسے دینا یا شربت بنا کر دینا اپنی طبیعت کے خلاف اور بچے کو بوجھ محسوس کر رہی تھی۔ اس کو بچے اور اس کے والد پر شدید غصہ آرہا تھا۔ مخبر حیران ہو کر بولا "تم سفینہ کو کب سے اور کیسے جانتے ہو؟"۔ میری اور اس کی آشنائی دو سال پہلے کی ایک دوپہر کے چند لمحات پر مشتمل ہے:

"تمام موسم اللہ کی نعمتوں کی لڑی کے دانے ہیں مگر غربت اور گرمی کا موسم غریب کے لیے تو صحارا کا سفر ثابت ہوتے ہیں۔ آج صبح سے ہی گرمی کا توڑ نہیں مل رہا تھا اور اب جب بجلی بھی بدنصیب کا محبوب ثابت ہوئی تو میں تندور نما گھر سے نکل دوڑا۔ سامنے والی گلی چھوڑ کر چچا رفیق والی گلی کی نکڑ پر میجر عمر کی کوٹھی کے سامنے ایک نیم کا درخت ہے۔ آٹھ سالوں میں پہلی بار مجھے اپنے محلے کے بہشت بوٹے کا ادراک ہوا۔ میں رکتے رکتے اس درخت کے سائے میں جا موجود ہوا، وہاں پر دو ننھے منھے بچے پلاسٹک کے کھلونوں سے کھیل رہے تھے۔ ایک بچے کے چہرے پر پسینہ تھا جیسے گلاب پر شبنم پڑی ہو اور فروری کی دھوپ میں چمک رہی ہو اور دوسرا بچہ لباس میں جمع میل کچیل کی وجہ سے گرمی اور پسینے کا تاثر آنکھ سے زیادہ ناک سے کروا رہا تھا۔ وہاں پر بلا مقصد کھڑا ہونا سوالیہ نگاہوں کا شکار ہونے کے مترادف تھا سو میں نے بچوں کے کھیل میں منہمک ہونا بر محل جانا۔ بچپن سے پرندوں اور جانوروں

کے بچوں کو اپنے والدین کی نقل کرتے دیکھ کر میرے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا تھا کہ بچے فطرتاً اپنے والدین کی نقل کرتے ہیں یا والدین ان کو باقاعدہ تربیت دیتے ہیں۔ آج ان بچوں کو دیکھ کر میرے ذہن کی گرہیں کشا ہوتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ خوبصورت بچے کے دونوں ہاتھوں میں چابی والے کھلونے تھے جو وہ مٹی کے بنے گھروں کی دیواروں کے اوپر سے گزار کرا نھیں مسمار کر رہا تھا۔ دوسرا بچہ اسے کہتا یار ایک کھلونا مجھے دے دو۔ خوب صورت بچہ کہتا ''تم مٹی سے دیواریں بناؤ اور میں انھیں گراتا ہوں''۔ اسی اثنا میں سامنے والی کوٹھی کے صدر دروازے کا تھوڑا سا حصہ کھلتا ہے اور ایک بنی سنوری گل اندام، خوب صورت بچے کو آم کا شیک ڈسپوزیبل گلاس میں تھما کر لوٹ گئی۔ دوسرے بچے کے منہ سے رال ٹپکنے لگی اور ہاتھ بے قابو سے ہو کر ادھر اُدھر چلنے لگے اور بے اختیار بول اٹھا'' تھوڑا سا مجھے بھی پینے دو''۔ خوبصورت بچہ بلا توقف بولا ''تم بھی جا کر اپنی ماما سے لے آؤ''۔ بچہ اپنا سا منہ لے کر ادھر ادھر دیکھتا ہے اور پھر گھر کی جانب سرپٹ دوڑ گیا۔

متوسط گھرانے کی بیٹھک جس کا دروازہ باہر گلی کی جانب ادھ کھلا ہوا تھا بچہ زور سے دروزے کو دھکیلتے ہوئے ''امی امی مجھے جوس دو''۔ بچے کی ماں جو خوابیدگی کے عالم میں تھی کروٹ بدلتے ہوئے ''تم میری جان پر علاحدہ سے عذاب بنے ہوئے، کیوں جینا حرام کر رکھا ہے''۔ ''امی دو نا''، ''رات کو جب تمھارا باپ آجائے تو اسے کہنا کہ وہ کوئی ملازمہ رکھ دے جو تمھیں مشروب بنا بنا کر دے اور دکان سے چیزیں بھی لا دیا کرے میں سارا دن تمھارے ناز نہیں اٹھا سکتی''۔ بچے کی ماں ایک دو بار کروٹ بدل کر جھونپڑی نما بیٹھک کی دیواروں پر ایسے گھور رہی تھی کہ جیسے بچے کو لانے اور اس کا سکون برباد کرنے میں ان کا ہاتھ ہو۔ بیٹھک نما کمرے کا ساز و سامان بتا رہا تھا کہ مکین بے ترتیبی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ بچہ ماں کی قمیص کا ایک کونا کھینچتے کھینچتے چارپائی کے نیچے لیٹ گیا اور پاؤں سے چارپائی کو اوپر کی اور دھکا لگانے لگا۔ بچے کی ماں تنگ آکر اٹھی اور دروزے سے گلی کی جانب بنے ہوئے زینوں میں سے دوسرے زینے پر بیٹھ کر باہر کا نظارا کرنے لگی۔ آس پاس کے سکولوں میں شاید چھٹی ہو چکی تھی اور بچے بیگ پہنے، پسینے میں شرابور ہاتھوں میں کھانے کے ٹفن اور پانی والی بوتلیں اٹھائے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ بچے کی ماں نے تین چار سال کے ایک چھوٹے سے بچے کو دیکھ کر جو بھاری بیگ اٹھائے مشکل سے قدم اٹھا رہا تھا اپنے بیٹے نعمان کو کہا کہ ''سارا دن میرا جینا حرام کرنے کی بجائے تم بھی سکول جایا کرو۔'' اس سے پہلے بیٹے کی آواز آتی بچوں کی ٹولی کے پیچھے پیچھے چلنے والی خوبرو ٹیچر، نعمان کی امی کو کہتی ''آپ کا بیٹا اگر تین سال کا ہو گیا ہے تو ہمارے سکول میں داخل کروا دو''۔ یہ کمبخت تو پانچ سال سے بھی مہینہ دو اوپر ہی ہو گا مگر اس کے ابا حضور اتنا کہاں کماتے ہیں کہ اس کی سکول کی فیس ادا کی جا سکے، ورنہ ایسی دوپہر میں میں یہاں بیٹھنے کی بجائے سکون سے سوئی ہوتی۔ یہ بات سن کر ٹیچر کے ترحم والے جذبات جاگ اٹھے۔ ''سسٹر آپ اسے سکول بھیجا کریں فیس کا بھی کچھ ہو جائے گا اور ویسے بھی ہمارے سکول کی فیس اتنی زیادہ نہیں ہے وہ میں ادا کر دیا کروں گی''۔ بچے کی ماں بولی ''اس کا باپ بڑا ایم اے پاس ہے جو یہ پڑھے گا''۔ سسٹر اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کہ تعلیم سے محرومی ان کی وراثت میں لکھ دی گئی ہے؟؟ اس کے والد صاحب تو بے چارے کسی مجبوری کی بنا پر نہیں

Tarjihaat
Volume:IV
Issue: V
مئی ۲۰۲۴
May. 2024
ISSN: 2583-0082
Online Urdu Research Journal
آن لائن اردو ریسرچ جرنل

پڑھ سکے ہوں گے اب اس کے پاس تو موقع ہے سو اسے پڑھنے دیں اور اس کی کامیابی کے لیے آپ بھی ماں کا کردار ادا کریں"۔ ٹیچر کی باتوں نے شاید ایک لمحے کے لیے بچے کی ماں کو سوچنے پر مجبور کر دیا اور اس نے باتوں میں توقف کرنے کے لیے یا کچھ سوچنے کے لیے یا پھر ٹیچر سے جان چھڑانے کے لیے خاموشی سادھ لی۔ ٹیچر ایک دم سے چونک اٹھی جیسے اسے اپنے ہی دماغ میں کوئی گم شدہ راز مل گیا ہو"سسٹر ہمارے سکول میں آیا جی کی جگہ ہے اگر آپ یہ ملازمت کر لیں تو آپ کے گھر کا نظام بھی بہتر ہو جائے گا اور آپ کا بچہ بھی پڑھ جائے اور ویسے بھی اس مہنگائی کے دور میں فرد واحد کے بس کی بات نہیں کہ وہ گھر کا نظام چلا سکے"۔ بچے کی ماں کی خاموشی کو ٹیچر نے اس کی رضا ہی جانا اور اپنا نام اور سکول کا نام لکھ کر دیتے ہوئے اپنا راستہ لیا۔

مخبر"یار کافی ذہین ہو ایک دوپہر کے واقعے کو کیمرے کی آنکھ کی طرح حرف بہ حرف اپنے ذہن میں قید کر رکھا ہے مگر وہ دوپہر تو اس واقعے کی ابتدائی چند سطریں دکھائی پڑتی ہیں اصل کہانی تو اس کے بعد ہی شروع ہوتی ہے"۔ ممکن ہے اصل کہانی میں سفینہ کسی یوٹوپیائی ریاست کی واحد ملکہ بن کر سامنے آئے مگر مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا اتنی جلدی یہ سب کیسے ممکن ہوا!! مخبر"تمھاری بات سے میں متفق نہیں ہوں کیونکہ یوٹوپیائی ریاست میں ایک ہی حکمران ہوتا ہے اور حکومت کے بہت سادہ اور بے ضرر اصول متعین ہوتے ہیں مگر یہاں اس کے بالکل متضاد صورت دیکھنے کو ملے گی ایک لونڈی دو حکمرانوں پر نہ صرف راج کرتی ہے بلکہ ان کو ناکوں چنے چبوا کر خود تخت نشین ہو بیٹھتی ہے"۔ آپ کیوں مزید تجسس پیدا کرنے پر تلے ہوئے ہیں جو آٹھواں عجوبہ سامنے آیا ہے وہ کھل کر بیان کر دو۔ مخبر"میں تمھیں الف سے یے تک تمام کہانی سناتا ہوں تم نے بیچ میں کوئی سوال نہیں کرنا اور اٹھ کر بھی نہیں بھاگنا"۔ جناب تم خضر بن جاؤ مگر میں موسیٰ بننے کی گستاخی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

مخبر:"سفینہ اپنے شوہر یاس نصرت کو زبردستی اپنی بات پر متفق کر کے راحت پبلک سکول میں آیا جی کی نوکری شروع کر دیتی ہے۔ جس شخص نے صبح کا ناشتہ اور رات کا کھانا بلا حرکت کے ایک ہی بستر پر لیٹ کر کھایا ہو اور برتن شوہر سے دلوائے ہوں اس کے لیے کسی سکول کے برتن دھونا اور ہر آواز پر لبیک کہنا اور پانی لے کر حاضر ہونا مشکل ہی نہیں ناممکن ٹھہرتا ہے۔ یہ جب شادی ہو کر اپنے محلے میں آئی تھی تو اکثر نوجوانوں کی نگاہیں بلا اختیار ان کے جھونپڑے کا طواف کرتی رہتی تھیں مگر وقت کے دھارے اور حالات کے گھوارے نے کچھ ایسے اثرات چھوڑے کہ رنگت ماند پڑ گئی، وزن بڑھ گیا اور میک اپ آلسی کی نظر ہو گیا۔ پھر ہوا کچھ یہ کہ جب عشق نے آنکھ کھولی تب رت بدل گئی اور شعلے کو ہوا نہ ملنے کے سبب جوالا مکھی بن گیا۔ یاس نصرت غریب مگر تیز مزاج آدمی تھا اس نے اس جوالا مکھی کو راکھ سے نکال کر مٹی کے ڈھیر تلے رکھنے کے لیے نعمان کی صورت میں تودا تعمیر کر دیا۔ سفینہ اس تودے کی اوٹ میں ایسی چھپی کہ کئی کئی دن تک منہ نہ دھونا اور میلے کچیلے کپڑوں میں ہفتوں خود کو محبوس رکھنا عادت کا جزو کبیر بنا لیا۔

سکول کا ماحول بالکل مختلف تھا ہر ٹیچر روز زنہ نیا سوٹ پہن کر آتی اور سفینہ جب کسی ٹیچر کو پانی پیش کرتی تو اس کے ہاتھ گلاس کو نفاست سے محرورم اور غلاظت سے بھرپور بنا دیتے۔ گلاس کی بیرونی سطح پر سفینہ کے ہاتھوں کی میل پسینے کے قطروں کی

طرح ٹپک رہی ہوتی تو ٹیچرز گلاس پکڑتے ہی پانی گرا دیتیں اور اس عمل پر سفینہ منہ بسورتی مگر سفینہ کو نیا سمجھ کر اور غریب جان کر کچھ کہنے سے پرہیز کرتیں کہ کہیں اس کی نوکری کھڈے میں نہ جا گرے۔ سفینہ ان سب باتوں کا غصہ یاس نصرت پر اتارتی اور رات کو جونہی وہ واپس گھر آتا سفینہ اسے کہتی مجھے کھانا دو اور خود بھی کھاؤ۔ دو ہفتے ایسے ہی گزرے ہوں گے کہ سفینہ نے یاس نصرت کو اس بات کا پابند کر دیا کہ وہ رات کو آتے ہوئے کھانا ہوٹل سے لے آیا کرے کیونکہ میں اتنی تھک چکی ہوتی ہوں کہ مجھ سے کھانا گھر پر نہیں بنتا۔

پہلے ماہ کی تنخواہ پاتے ہی سفینہ گھر آنے کی بجائے سیدھی بازار گئی، دو سوٹ خریدے اور ایک اونچی ایڑی والی جوتی خریدی اور کچھ میک اپ کا سامان لے کر گھر آئی۔ اب سفینہ کے پاس کچھ پیسے بھی آ چکے تھے اس لیے یاس نصرت کے بغیر سفینہ برگر، گول گپے اور دہی بھلے کھانے کے لیے بازار بھی جانے لگی۔ سفینہ نے اب خود پر توجہ دینا شروع کر دی تھی دن میں تین بار صابن سے منہ دھونا اور رات کو سوتے ہوئے کریم لگا کر سونا اور پھر صبح اٹھ کر بلیچ کرنا اور پھر غازے کی لیپ کر کے سکول کا راستہ لینا۔ سفینہ شکل سے تو پہلے ہی خوبصورت تھی بس ذرا سے اہتمام کی ضرورت تھی جس نے گلاب کو دکان سے اٹھا کر دولہے کے سہرے میں سجا دیا۔ سفینہ کی نسوانیت بھی ایسی تھی کہ باجرے کے ڈھیر میں سے مکئی کے سٹے کی طرح اپنی پہچان خود کروا لیتی تھی۔ گلاب کی خوشبو سونگھنے کا ہر کسی کو شوق ہوتا مگر انداز اور قدر مختلف ہوتی ہے۔ اب تو سفینہ ٹیچرز کے دل میں گھر کرنے لگی تھی کچھ ٹیچرز نے محبت کو شفقت کا روپ دے دیا تھا مطلب گھر میں بننے والے کھانے بھی سفینہ کی نظر ہونے لگے تھے اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ سفینہ کے لیے تحائف کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ سفینہ اپنی تنخواہ کو بھی اپنی ذات پر خرچ کرتی رہی اور دیگر ٹیچرز بھی تحائف دیتی رہیں اس طرح سفینہ نے کافی زیادہ کپڑے اور جوتے جمع کر لیے تھے۔ گلاب کو گلاب سے خار نہیں ہوتی مگر جب گلابوں کے بیچ ایک سفید کلی سر اٹھا لے اور اس کی خوشبو حد سے تجاوز کرنے لگے اور ہر بلبل اس کلی کو سونگھنے اور چاہنے لگے تو اس سے باقی پھولوں کے دل میں پنپنے والا حسد ایک عداوت کی صورت اختیار کرنے لگتا ہے۔ سفینہ بھی اب اسی نہج پر آن پہنچی تھی کہ ہر روز نیا جوڑا، نیا جوتا اور بہترین میک اپ جس سے ٹیچرز حسد سے عداوت کی اور لڑھکتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

اتوار کی ایک شام سفینہ پارلر گئی پلکیں بنوائیں، فیشل کروایا، بال سیدھے کروائے اور بائیں بازو پر کہنی سے ہتھیلی تک مہندی لگوائی اور واپسی پر گلابی بیلٹ والی گھڑی خریدی۔ سفینہ نے دو گھنٹوں میں تیس دنوں کی کمائی کا نصف تین ہزار اپنی ذات پر خرچ کر دیا مگر چہرے پر افسردگی کی بجائے ایک الگ سی چمک تھی جس کو صاف پڑھا جا رہا تھا کہ سفینہ اپنے خارج سے باطن کی طرف مسرور دکھائی دے رہی ہے۔ رات کو یاس نصرت جب گھر پہنچا تو اس نے چند ہفتوں سے جاری تبدیلی کو جب بامِ عروج پر دیکھا تو خوش ہونے کے ساتھ ساتھ حیران بھی ہوا کہ بچے کی پڑھائی اور اس کے خوراک و لباس پر توجہ دینے کی بجائے سفینہ نے اپنی ذات کو ہی محور بنا رکھا ہے۔ اس محور کے کسی مدار میں بھی یاس نصرت اور نعمان نظر نہیں آتے خیر یہ ایسا کون سا چاند ہے جس نے مدار میں موجود اپنے

ستاروں پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کی بجائے ہر مدار میں اپنا ہی عکس سجا رکھا ہے۔ یاس نصرت نے اپنا ہاتھ سفینہ کی طرف بڑھایا تو اس نے شوہر کا ہاتھ آگے بڑھا ہوا دیکھتے ہی یہ کہہ کر جھٹک دیا کہ ایک ٹیکسی ڈرائیور کے ہتھوڑوں جیسے ہاتھ ایک پری کے ہاتھوں پر ضرب لگا کر مہندی کی رعنائی کو زائل نہ کر دیں۔ یاس نصرت جن باتوں کو پہلے دیکھ رہا تھا آج سوچنے پر مجبور تھا مگر یہ سوچ کر سو گیا کہ اپنی مچھلی کو اپنی سیخ پر آخر سجنا ہے چاہے سات سمندر بلولے۔

سوموار کی صبح سفینہ نے سرخ جوڑا زیب تن کیا، جو سفینہ کے جسم کے نشیب و فراز کو یوں عیاں کر رہا تھا کہ جیسے جسم کے ہر اعضا کا علیحدہ سے ناپ لے کر جوڑا سلائی کیا گیا ہے، سفینہ کی قد و قامت پہلے ہی پر کشش تھی مگر اس قدر جسم پر کھبا ہوا لباس پہننے کے بعد سفینہ کی نسوانیت نے بھی اپنے حسن کے چراغ روشن کر دیے تھے۔ سرخ و سفید چہرے پر غازے کا لیپ تاج محل میں لگے فانوس کا نظارا پیش کر رہا تھا۔ باریک رسیلے ہونٹوں پر سرخی اور جامنی ہلکے بارڈر نے ہونٹوں کو فرصت میں بنائے گئے قدرت کے کسی کرشمے کا روپ دے دیا۔ ہاف بازو سرخ فراک جس میں سے سفینہ کے گول مٹول سفید بازو نور نگری میں سے پھوٹنے والے چاندی کے چشمے کی خبر دے رہے تھے، بائیں چشمے پر گھڑی کی صورت میں ایک دربان بٹھا دیا۔ بادلا کا دوپٹہ اوڑھے اونچی ہیل والی جوتی پہنے سفینہ جب سکول پہنچی تو بازار مصر میں یوسف دکھائی دے رہی تھی۔ چند دن پہلے جن ٹیچرز نے اپنی محبت کو شفت کے درجے تک پہنچا دیا تھا آج وہی باتیں کر رہی تھیں "ہم نے نہ صرف راکھ میں سے جوالا مکھی تلاش کیا بلکہ ہوا دے کر ایسا بھڑکایا کہ اب الاؤ بن چکا ہے اور اب ہم سب اس الاؤ میں سوکھی لکڑیوں کی طرح جلیں گی اور روشن وہ ہوتی رہے گی"۔ دو ماہ سے پرنسپل صاحب کے لیے پانی اور چائے کا اہتمام مہین نامی ٹیچر کر رہی تھی یہ وہی خیر خواہ تھی جس نے سفینہ کو آیا جی کی نوکری دلوائی تھی۔ وہ جانتی تھی اس کے لباس اور ہاتھوں کی میل کچیل کی وجہ سے پرنسپل صاحب اس کے ہاتھ سے پانی نہیں پئیں گے اور اس کی نوکری بھی جاتی رہے گی۔ آج مہین کے لیے بھی اچھا موقع تھا کہ پرنسپل صاحب کے سامنے سفینہ کو بھیج کر اس کی نوکری یقینی اور مستقل بنائی جائے۔ سفینہ نے خود کو میگنس کارلسن، چائے کو بساط اور پرنسپل صاحب کو مہرہ جان کر پرنسپل آفس کا رخ کیا۔ سفینہ کے دل میں نہ جانے یہ خیال کیسے آیا کہ سولہ میں سے پندرہ مہرے اپنے پاس رکھ کر پرنسپل صاحب کو صرف ایک مہرہ دے کر مقید کر کے اپنی فتح درج کی جائے۔

جونہی سفینہ چائے کے برتن لے کر آفس سے باہر نکلی تو پرنسپل صاحب کی کشتی سوچوں کے گرداب میں ایسی پھنسی کہ ملاح بے بس ہو کر سمندر میں غوطہ زن ہونے کا فیصلہ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ پرنسپل ایک زمانہ ساز، شاطر، ہیروں کا تاجر اور وجیہ شخصیت کا مالک تھا اس لیے انمول ہیرے کو پہچاننے میں اس نے بھی دیر نہیں لگائی۔ پرنسپل صاحب سوچنے پر مجبور ہوئے کہ اس ہیرے کو نہ صرف اپنی دکان کی الماری میں محفوظ کیا جائے بلکہ اس کو اپنے جسم پر سجا کر خود کو محظوظ بھی کیا جائے۔ پرنسپل صاحب اپنی کرسی پر نیم دراز ہوتے ہوئے "یہ کوئی زمینی مکھڑا تھا یا پھر کوئی خلائی مخلوق، میں تو ابھی اس کے چہرے کو چاند سمجھ کر اس کی رعنائی سے محظوظ ہو رہا تھا مگر جونہی نظر ذرا سی نیچے کی اور سر کی تو اس کی نسائیت کے نیل نے مجھے فرعون سمجھ کر اپنا ابدی مہمان بنا لیا۔ گریبان سے

نسائیت یوں جھانک رہی تھی جیسے رہائی کا منتظر قیدی زندان سے باہر آنے کے لیے مضطرب ہو۔کپ میں اتنی حرارت نہیں تھی جتنی اس کی انگلیوں کے لمس میں تھی میرے جسم کا بال بال جل اٹھا۔اس کا ہاتھ ایک بار اور مجھے چھوتا تو میرے جذبات شاید سیال مادے کی صورت بہنے لگتے۔میں اسے اپنی نائب بنا کر مشورے کے بہانے سارا دن اس سے باتیں کیا کروں! مگر وہ تو صرف پانچ جماعتیں پاس ہے،ایسا کرنے سے تو میں مجنوں قرار پاؤں گا اور شیدائی بن کر رہ جاؤں گا اور ان ٹیچرز کے سامنے نظریں بھی نہیں اٹھا پاؤں گا۔مجھے کچھ ایسا حربہ اختیار کرنا چاہیے کہ مٹی مٹی کے درجے پر رہ کر سونے کا روپ دھارے اور بھٹی میں رہے مگر کندن نہ بن پائے۔اس کی نسائیت تو آواز کے ذریعے سے دلربائی پھیلا رہی تھی مگر میں نے پھوار کے سامنے ہاتھ نہ کر کے اچھا کیا کیونکہ یہاں بند باندھنا مشکل ہو جانا تھا اور ویسے بھی وہ تو خوان یغم ہے یہاں سے شکم سیری یقینی ہے"۔پرنسپل صاحب سفینہ کے حسن کی بہتی ندی اور ابلتی آبشاروں کے سامنے زیادہ دیر مزاحم نہیں رہ سکے اور جلد ہی سفینہ کو آیا جی سے پرائمری ٹیچر کا نام دے کر دل کے سنگھاسن پر جا بٹھایا۔

ویکنڈ پر آخری لیکچر کو میٹنگ میں تبدیل کر دیا گیا اور تمام ٹیچرز کے سامنے پرنسپل صاحب نے معصوم لفظوں میں سفینہ کی

قابلیت کو دیکھتے ہوئے اسے تدریس کی ذمہ داری سونپنے کا اعتراف یوں کیا"بطور آیا جی اس سکول میں آنے والی سفینہ نے دو ماہ میں ہی خود کو اس اہل ثابت کیا کہ ہم ان کی قدر کرنے پر مجبور ہو گئے۔آپ سب لوگ جانتے ہیں ہماری روایت ہے کہ ہم اہل بندے کو اس کے مقام سے ضرور نوازتے ہیں اور اس کی صلاحیتوں سے مستفید ہوتے ہیں۔میری تو ان سے بمشکل دو تین ملاقاتیں ہی ہوئی ہیں آپ سب لوگوں نے سفینہ کی جتنی تعریفیں کی ہیں ان سب کا لحاظ کرتے ہوئے سفینہ کو بطور پرائمری ٹیچر تعینات کیا جاتا ہے۔سفینہ کو آیا جی سے باشعور اور باصلاحیت ٹیچر کے مرتبے پر پہنچانے پر آپ سب لوگوں کو مبارک باد پیش کرتا ہوں،سفینہ کی کامیابی کا سہرا سفینہ سے زیادہ آپ لوگوں کے سر ہے۔"میٹنگ کے برخاست ہونے پر،پرنسپل صاحب نے کہا"سفینہ اگر آپ کو تاخیر نہ ہو رہی ہو تو آج آخری بار برتن دھوتی جائیں اور کل سے ہم آیا جی کا بندوبست کر لیں گے"۔گیٹ سے باہر نکلتے ہی سب ٹیچرز ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو رہی تھیں کہ کس ناہنجار نے سفینہ کی اتنی تعریفیں کیں کہ بچوں کا مستقبل داؤ پر لگا دیا اور صاحب بااختیار کا حال بنا دیا۔

سفینہ برتن دھونے سے زیادہ خود کو دیکھ رہی تھی اور سازش کی کامیابی پر زیر لب مسکرا رہی تھی۔دوسری جانب کا حال بھی کچھ مختلف نہیں تھا بلکہ صیاد،صید کے خود دام میں آنے پر مسرور تھا۔صیاد اپنا دام بچھا کر بیٹھا ہوا تھا کہ صید خود آئے اور دانہ طلب کرے اور دوسری طرف صید اس بات کا منتظر تھا کہ کب طلب کر کے دام میں قید کیا جائے۔یہ بھی دنیا کا عجب شکار تھا کہ صیاد شکار کے لیے صید کا منتظر ہے اور صید شکار ہونے کے لیے صیاد کے اشارے کا منتظر ہے۔پرنسپل صاحب کو جب اس بات کا یقین ہو گیا کہ سب ٹیچرز جا چکی ہیں اور سفینہ اکیلی رہ گئی ہے تو انھوں نے کال بیل دی۔سفینہ اپنا آنچل سنبھالتے ہوئے روح کی آواز اور چہرے کے تاثرات کو چھپاتے ہوئے آفس کے دروازے کو ذرا کھولتے ہوئے اندر جھانکتی ہے۔"جی سفینہ اندر آیئے،بیٹھیے یہ آپ کا اپنا آفس ہے اس لیے یہاں آتے ہوئے آپ کو کسی ہچکچاہٹ کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں اور ویسے بھی میں تمھارے لیے پرنسپل نہیں بلکہ 'تم'

کے درجے پر آموجود ہوا ہوں"۔سفینہ بھی اسی سمندر کی راہی تھی اس نے ناک تھام کر ڈبکیاں لگانے کی بجائے تیرنے کا فیصلہ کیا"جی میں پرسوں ہی سمجھ گئی تھی جب آپ نے میرا ہاتھ پکڑا تھا مگر تب مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ آپ کے بازوؤں کی حمائل میں خود کو محصور کر پاتی خیر اب تو میں نے اتنا حوصلہ مجتمع کر لیا ہے کہ جسم کو سیراب کیا جا سکے"۔آدھے گھنٹے بعد جب دونوں آفس سے باہر نکلے تو دونوں کے جسم دریا کے ٹھہرے ہوئے پانی کی موجوں کی طرح پر سکون تھیں مگر غیر ذی روح ہر جسم صدا لگا رہا تھا کہ جب چور کے گھر کا چراغ روشن ہوتا ہے تو ضمیر کا بجھ جاتا ہے۔

سفینہ نے پھر ایسی پروان بھری کہ ان کا شوہر یاس نصرت اور ان کا بیٹا نعمان حشرات الارض بن کر رہ گئے۔سفینہ نے گھر کھانا بنانا بھی ترک کر دیا تھا ویسے اب تو اسے ہفتے میں ایک آدھ بار ہی گھر بیٹھ کر کھانے کا وقت ملتا تھا۔اب تو کبھی ان کے منال کی پہاڑیوں پر ڈنر ہو رہے ہیں، کبھی بہارہ کوہ کے ریستوران کے منتظر ہیں۔ کبھی پہاڑی علاقوں میں جا کر نفس کی پوجا کے بعد باربی کیو سے محظوظ ہو رہے ہیں۔

اتوار کی شام سفینہ دیر سے گھر لوٹی تو اس کے شوہر نے پوچھا"آج تو چھٹی تھی تم کہاں سے لوٹ رہی ہو؟"اس نے بڑی بے رخی سے جواب دیا کہ اگر یقین نہیں تو میں جاب چھوڑ دیتی ہوں پھر تم بھی خوش ہو جانا۔یاس نصرت ایک لمحہ کے لیے چپ رہا پھر بولا سوال میرا صرف یہ تھا کہ"چھٹی کے دن اتنی دیر سے کہاں تھی؟"سفینہ کے ہاتھ میں کھانے والی پلیٹ تھی جو اس نے زمین پر پٹکاتے ہوئے"میں ہر بات کی تفصیل پیش کرنا اپنے اعتبار اور اعتماد کی توہین سمجھتی ہوں اور میں آپ کی نوکرانی نہیں ہوں جو آپ کو ایک ایک بات پر وضاحتیں پیش کروں،ہاں ذہن میں رکھنا آخری دفعہ بتا رہی ہوں، مہین کے ساتھ بازار گئی تھی"۔یاس نصرت نے اس بات کو دبانے کے لیے خاموش اختیار کر لی مگر ذہن دو گھنٹے پہلے کے اس نظارے کی تصویر پیش کرنے لگا جب مہین اپنے گھر کے سامنے سبزی والے سے سبزی خرید رہی تھی۔ایک طرف سفینہ کے لہجے کی تلخی اور دوسری طرف مہین کا اپنے گھر موجود ہونا یاس نصرت کو توڑ کر پارہ پارہ کر گیا۔یاس نصرت صبر کا جام پی کر نعمان سے بات چیت کرنے لگا۔سفینہ نے کپڑے تبدیل کرتے ہوئے ایک ایسا ڈھیلا ڈھالا لباس پہنا جس نے جسم کو نیم برہنہ کر دیا تھا۔یاس نصرت کی حیرت انتہاؤں کو چھو رہی تھی"یہ کیا ہے اور تم نے کہاں سے لیا ہے؟"سفینے نے ایک بار پھر اپنی خجالت کو چھپانے کے لیے تلخی کا سہارا لیا"اسے نائٹی کہتے ہیں تم لوگ تو ساری زندگی جنگلوں میں رہے ہو تمھیں دن اور رات کے لباس کی کیا تمیز"۔یاس نصرت یہ وار سہہ کر بھی حسب روایت رہا اور نعمان کے سونے کا انتظار کرنے لگا۔ان جاں گسل اور متشدد لمحات کی کشیدگی کو کم کرنے کے لیے یاس نصرت نے سوچا پھلوں سے رس کشید کرتے ہیں جس سے طبیعت بھی تر و تازہ ہو جائے گی اور اس کا بھی غصہ ٹھنڈا ہو جائے گی۔سفینہ کے ڈھیلے ڈھالے لباس نے یاس نصرت کو پہلے ہی بسمل حالت میں لا کھڑا کیا تھا،نعمان کے سوتے ہی یاس نصرت کے صبر کے بندن ایک ساتھ سب تڑک کر کے ٹوٹ گئے،سفینہ نیم برہنہ چارپائی پر دراز یوں لگ رہی تھی جیسے بادہ گل کی ندی بہہ رہی ہو۔یاس نصرت نے سفینہ کے قریب ہو کر نائٹی کو چھوا تو اس کا

Tarjihaat
Volume:IV
Issue: V
مئی ۲۰۲۴
May. 2024
ISSN: 2583-0082
Online Urdu Research Journal
آن لائن اردو ریسرچ جرنل

آخری بند بھی کھل گیااور سفینہ پارے کی طرح ہاتھوں سے پھسل کر پھیل گئی۔یاس نصرت کی سات برسوں میں آج پہلی بار رس کشید کرنے کی بجائے پھل کو ہڑپ کرنے کے لیے رال ٹپک رہی تھی۔یاس نصرت نے وفور شوق سے باہر ہوتے ہوئے پہلا گھونٹ لینے کے لیے لبوں کو جام پر پیوست کیا تو سفینہ جاگتے ہی شیرنی کی طرح چھلانگ لگا کر چارپائی سے نیچے جا کھڑی ہوئی''تمھیں شرم نہیں آتی میرا جسم یوں برہنہ کرتے ہوئے اگر نعمان جاگ گیا تو وہ کیا سوچے گا؟ حد ہوتی ہے! تمھیں میں نے کچھ دن پہلے بھی سمجھایا تھا کہ جس دن میرا موڈ ہوا میں خود بتادوں گی ایسے روزانہ مجھے اذیت پہچانے سے تمھیں سوائے غصے کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔تم جانتے ہو کہ دن کو بھی یہی کام اور رات کو بھی یہی کام کیا میں انسان نہیں ہوں!!!''۔اس بات نے یاس نصرت کو خزاں رسیدہ درخت کی طرح وفور شہوت کے شوق سے خالی کر دیا اور چارپائی پر لا بٹھایا۔سفینہ نے اپنی نائٹی ٹائٹ کر کے باندھی اور اور لائٹ آف کر کے لیٹ گئی۔ایک مہینے کے شک نے آج یاس نصرت کو یقین کی وادی میں لا کھڑا کیا تھا۔یاس نصرت گردن جھکائے سوچنے لگا''یار دن بھر'یہی کام'اس کا مطلب ہے یہ جو آج دوپہر سے گھر سے غائب تھی تو جسمانی افعال میں ملوث تھی''۔یاس نصرت ہمت مجتمع کرتے ہوئے اور ناچاہتے ہوئے بھی پوچھنے لگا''دن بھر یہی کام سے کیا مراد ہے؟ کیا تم کسی اور کے ساتھ بد فعلی میں ملوث ہو جو مجھے قریب بھی نہیں بھٹکنے دیتی؟''اس سوال نے سفینہ کے تن بدن کو نار میں بدل دیا،سفینہ سٹپٹا کر رہ گئی اور اپنے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کی حقیقت اور ندامت کو چھپانے کے لیے سیخ پا ہو کر بولی''تمھیں شرم آنی چاہیے مجھ پر ایسا الزام دھرتے ہوئے،کیا میں کوئی طوائفہ ہوں؟ جو ایسے کام کروں گی؟ میرا مطلب تھا کہ دن بھر سکول میں کام کاج سے بندہ تھک ہار کر واپس آتا ہے''۔''مگر آج تو چھٹی تھی پھر سکول کا کیسا کام؟''۔''تم جاہل کو سمجھانا میرے بس کی بات نہیں،میرا مطلب تھا آج میں پرنسپل صاحب کے گھر گئی ہوئی تھی،ان کی بیوی نہیں تھی سو ان کے گھر پر کھانا تیار کیا اور ان کے کچھ کپڑے دھوئے''۔یاس نصرت اپنے شک پر مبنی سوالوں کی گٹھڑی کو سمیٹ کر یقین کی الماری میں رکھتے ہوئے''اچھا ٹھیک ہے سو جاؤ مجھے اسی وقت شک ہو گیا تھا جب تم نے مجھے تنخواہ پانچ ہزار بتائی تھی اور مہینہ بھر میں کوئی بیس ہزار کی شاپنگ کی اور کئی بار باہر جا کر مہنگے ترین ہوٹلوں میں کھانا کھایا تھا''۔سفینہ بھڑ بھڑ کرتے سو گئی اور یاس نصرت سگریٹ سلگا کر صبح کاذب کے صبح صادق میں بدلنے کا انتظار کرنے لگا۔تین چار سگریٹ پھونکنے کے بعد یاس نصرت وہاں سے اٹھ کر چارپائی پر دراز ہوتے ہی نیند کی وادی میں جا پہنچا۔

سفینہ نے دن بھر کی تھکاوٹ کی وجہ سے سوموار کی صبح دس بجے تک نیند کی اور پھر اٹھ کر حسب معمول بلکہ معمول سے کچھ کم ہی تیاری کی اور سکول جا پہنچی۔اکثر ٹیچرز کے ساتھ سفینہ کا رویہ کچھ معمول سے قدرے مختلف تھا اور ایک بچے کو تو اخلاقیات کے برعکس بے نقط سنا ڈالیں۔سفینہ کی کلاس صدر دروازے سے اندر کی طرف کے دالان میں دائیں طرف دوسرے کمرے میں تھی،کلاس کے دروزے کے سامنے سفینہ بیٹھی ہوئی تھی جہاں سے باہر سے آتے جاتے لوگ آسانی سے دیکھے جا سکتے تھے۔کلاس ختم ہونے میں ابھی دس منٹ باقی تھے کہ پرنسپل صاحب سامنے سے گزر کر اپنے آفس میں جا موجود ہوئے۔پتنگ کی ڈور کے پیچھے بھاگتے

Tarjihaat
Volume:IV
Issue: V
مئی ۲۰۲۴
May. 2024
ISSN: 2583-0082
Online Urdu Research Journal
آن لائن اردو ریسرچ جرنل

ہوئے بچے کی طرح سفینہ پرنسپل صاحب کے تعاقب میں تھی۔ایک دو ٹیچرز نے دیکھا مگر معمول کا کھیل سمجھ کر نظریں پھیر لیں۔سفینہ دروازے کو مقفل کرتے ہوئے پرنسپل صاحب کے سامنے کھڑے ہو کر ٹارگٹ سیٹ کرنے لگتی ہے:''میں نے پچھے تین چار ہفتوں سے تمھاری ہر بات مانی ہے اور تمھارے حکم کے مطابق ایک مدت سے اُسے قریب بھی نہیں بھٹکنے دیا۔پہلے تو عام دنوں کی بات تھی معاملہ چلتا رہا مگر کل اتوار کو آپ کی طرف آنا اس کے شک کو یقین میں بدل گیا،مجھے اُس کا کوئی ڈر تو نہیں اور میں تمھاری خواہش کے مطابق اسے چھوڑنے کے لیے بھی تیار ہوں مگر اس کے لیے ایک سٹیج تمھیں سیٹ کرنا ہوگا''۔پرنسپل صاحب تو اس بادہ گلگوں کے پکے مریض بن چکے تھے اس لیے ہر جام کے ایک ایک گھونٹ کی قیمت چکانے کے لیے تیار تھے۔''تمھارے لیے میں سب کر گزرنے کو تیار ہوں تم حکم تو کرو''۔''میں آج کے بعد یہاں پڑھانے کے لیے نہیں آؤں گی''۔''اوہو تم ڈر گئی ہو؟''۔''تم بھی کتنے سادہ ہو، تمھیں کیا لگتا ہے اس بیسط آدمی کے لیے میں تمھیں چھوڑ دوں گی!،ایسا ہر گز نہیں ہونے والا بس بات یہ ہے کہ سماج والے جینا دوبھر کر دیں گے کہ اِس نے سکول والے پرنسپل کے لیے اپنے شوہر کو چھوڑ دیا۔اس لیے یہاں ایک گیم کھیلنے کی ضرورت ہے''۔''وہ کیا؟؟''''تم مجھے ایک بلڈنگ کرائے پر لے کر دو،وہاں ٹیوشن سینٹر بنائیں گے،ایک کمرے کو میں مہمان خانے کے طور پر استعمال کروں گی تم وہاں اپنی گیم کھیلنا اور شوہر نامراد اگر تھوڑی سی بھی غیرت رکھتے ہوئے تو خود ہی کنارہ کش ہو جائیں گے''۔''یہ تو اور بھی اچھا آپشن ہے کیونکہ یہاں ٹیچرز کی نظروں میں گرتا جا رہا ہوں اور بیگم تک بھی افواہیں پہنچنا شروع ہو گئی ہیں باقی دس بیس لاکھ کی کوئی بات نہیں تم کوئی بلڈنگ منتخب کرو بچے یہاں سے بھیج دوں گا اور پیسے کی موجودگی میں ٹیچرز موسمی سبزی کی طرح وافر میسر آجاتی ہیں''۔

یاس نصرت نے اٹھ کر منہ دھویا اور چائے بنا کر بسکٹ پلیٹ میں سجائے اور نعمان کو گلی سے آواز دے کر بلایا، باپ بیٹا ناشتہ کرنے لگے۔پہلا گھونٹ لیتے ہی یاس نصرت ماضی کی رعنائیوں اور حال کے دھندلکوں میں بے سروپا گھومتا ہوا نظر آیا''میں نے دن رات محنت کر کے اسے حاصل کیا اور اس کی خوشی کے لیے اپنا گاؤں،بہن بھائی اور پر سکون زندگی کو چھوڑ کر یہاں کرائے کے مکان میں آبسا۔اپنے سر پر اُدھار کا بوجھ لاد کر اس کے پاؤں کے نیچے گاڑی دی۔میں نے شب و روز کی تمیز سے مستغنی ہو کر چار سالوں میں گاڑی کا بقیہ قرض چکتا کیا لیکن اس دوران ایک بار بھی اسے کسی تنگی کا سامنا نہیں کرنے دیا اور اپنی اوقات کے مطابق ہر ممکنہ آسائش مہیا کی مگر کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ اوقات تو بے جان اشیا اور جانوروں کی ہوتی ہے انسان تو کسی وقت بھی اوقات بھلا بیٹھتا ہے سو اس کو اوقات میں رکھنا یا اس کی اوقات کا اندازہ لگانا انتہائی مشکل کام ہے۔اب دیکھیں میرے جیسا بے بس انسان بھی کوئی ہو گا جو اپنی کھیتی میں حل چلانے کا مجاز نہیں۔میں کیسا اس کھیتی کا مالک ہوں جس پر نام میرا لکھا ہوا ہے مگر ملکیت کسی اور کی ہے۔میں نے بھی انگوروں کے کھیت کو اپنی ملکیت بنایا تھا جو کچے ہوں تو لومڑیوں کا شکار ہوتے رہتے ہیں اور پکتے ہی خود چل کر امیروں کے گلاسوں میں پہنچ کر ان کے خمار کا اہتمام کرتے ہیں''۔باپ بیٹا ناشتہ کر کے برتن دھو کر فارغ ہوئے تھے کہ اتنی دیر میں سفینہ واپس آجاتی ہے۔نعمان''امی

آج آپ کو جلدی چھٹی ہو گئی ہے"۔سفینہ نے کوئی بھی جواب دینا مناسب نہیں سمجھا اور کپڑے تبدیل کر کے فریش ہو کر باہر سے لائی ہوئی بریانی کھانے لگی۔سفینہ نے باپ بیٹے کو باہر نکلتے دیکھا تو اپنا فیصلہ سنانے کے انداز میں بولی"میں اپنے محلے میں کوئی اچھی سی بلڈنگ دیکھ کر ٹیوشن سینٹر بنانے جا رہی ہوں اور تم دونوں وہاں میرے ساتھ رہنا چاہو تو مجھے پریشان کیے بغیر ساتھ رہ سکتے ہو، نہیں تو تمھارے یہاں رہنے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں"۔یاس نصرت نے واپس کمرے میں آ کر اپنے اور نعمان کے کپڑے شاپر میں ڈالے اور باہر نکلتے ہوئے"ہمارے اعتراضات اور حقوق تو تم بہت پہلے سے پسِ پشت ڈال چکی ہو بس فیصلہ سنانا باقی تھا جو آج تم نے سنا دیا۔دریا کے دونوں پشتے برابر پر ہونے کے باوجود بھی کبھی آپس میں نہیں مل پاتے کیونکہ ان کے درمیان پانی حائل ہوتا ہے۔اب تم جانو اور پانی جانے ہم اپنے نصیب کا خود فیصلہ کریں گے"۔

واہ! مخبر تم نے تو یار پوری کہانی فلم کی صورت میں دکھا ڈالی۔اب مجھے احساس ہوا کہ ترقی تعلیم سے نہیں بلکہ زر سے ہوتی ہے اور زر ہر بار تبادلے سے حاصل ہوتا ہے کبھی جسم کے تبادلے سے کبھی خون کے تبادلے سے اور تعلیم اصول بناتی نہیں بلکہ محض اصولوں کے مطابق چلتی ہے۔مخبر! سفینہ کو جھونپڑے سے ٹیوشن سینٹر کی بلڈنگ تک پہنچنے کے لیے رشتوں کی قربانی اور جسموں کا تبادلہ کرنا پڑا!!!